بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ٹیلیفون نمبر ۳۳ — رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۸

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ‧ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الفضل

روزنامہ — قادیان

یوم چہارشنبہ

ج ۳۲	۱۲ ماہ وفا ۱۳۲۳ ہش	۲۰ رجب ۱۳۶۳ھ	۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء	نمبر ۱۶۱

مدینۃ المسیح

قادیان ۱۰ ماہ وفا۔ آج صبح سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ ساڑھے سات بجے شام بذریعہ فون اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیر و عافیت وہاں پہنچ گئے ہیں۔ الحمد للہ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کو بخار اور شدید سر درد ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

بیگم صاحبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طبیعت بھی دو تین دن سے ناساز ہے احباب دعائے صحت کریں۔

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے متعلق شملہ سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ انکی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ خون کثرت سے آنے لگا ہے۔ احباب حضرت نواب صاحب کی صحت کیلئے دعا فرمائیں:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — ھُوَ النَّاصِرُ

میری مریم

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

بُلانیوالا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دِل تو جاں فدا کر

(رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

رضیت باللّٰہ ربًّا و بالاسلام دینًا وبمحمّدٍ رسولًا و بالقراٰن حکمًا۔

سیّدہ اُمِّ طاہر رضؓ کا بچپن

چھتیس ۳۶ سال کے قریب ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم کا نکاح ہمارے مرحوم بھائی مبارک احمد سے پڑھوایا۔ اس نکاح کے پڑھوانے کا موجب غالباً بعض خوابیں تھیں۔ جن کو ظاہری شکل میں پورا کرنے سے ان کے انذاری پہلو کو بدلنا مقصود تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی۔ اور مبارک احمد مرحوم اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔ اور وہ لڑکی جو ابھی شادی اور بیاہ کی حقیقت سے ناواقف تھی بیوہ کہلانے لگی۔ اس وقت مریم کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی۔ اور وہ اور اُن کی ہمشیرہ زادی عزیزہ نصیرہ اکٹھی گول کمرہ سے جس میں اُس وقت ڈاکٹر سیّد عبد الستار شاہ صاحب مرحوم ٹھہرے ہوئے تھے کھیلنے کے لئے اوپر آجایا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی گھبرا کر جب منہ بسورنے لگتیں۔ تو میں کبھی مریم کو اٹھا کر کبھی نصیرہ کو اٹھا کر گول کمرے میں چھوڑ آیا کرتا تھا۔ اُس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ کہ وہ بچی جسے میں اٹھا کر نیچے لے جایا کرتا ہوں کبھی میری بیوی بننے والی ہے اور یہ خیال تو اور بھی بعید از قیاس تھا۔ کہ کبھی وہ وقت بھی آئیگا۔ کہ میں پھر اس کو اٹھا کر نیچے لے جاؤنگا۔ مگر گول کمرہ کی طرف نہیں بلکہ قبر کی لحد کی طرف۔ اس خیال سے نہیں۔ کہ کل پھر اس کا چہرہ دیکھوں گا۔ بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ قبر کے اس کنارہ پر پھر اس کی شکل کو جسمانی آنکھوں سے دیکھنا یا اس سے بات کرنا میرے نصیب میں نہ ہوگا۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۷ء تک کا عرصہ

عزیز مبارک احمد فوت ہو گیا۔ اور ڈاکٹر صاحب کی رخصت ختم ہو گئی۔ وہ بھی واپس اپنی ملازمت پر رعیہ ضلع سیالکوٹ چلے گئے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ صاحب اس وقت سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ دونوں میرے دوست تھے۔ مگر ڈاکٹر حبیب عام دوستوں سے زیادہ تھے۔ ہم یکجان دو قالب تھے۔ مگر اس وقت کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ انکی بہن پھر کبھی ہمارے گھر میں آئیگی۔ انکی دوستی خود انکی وجہ سے تھی۔ اس کا باعث یہ نہ تھا کہ انکی ایک بہن ہمارا ایک بھائی سے چند دن کے لئے بیاہی گئی تھی۔ دن کے بعد دن اور سالوں کے بعد سال گذر گئے۔ اور مریم کا نام بھی ہمارے دماغوں سے مٹ گیا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی وفات کے بعد ایک دن شاید ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء تھا۔ کہ میں امۃ الحی مرحومہ کے گھر میں بیت الخلاء سے نکلکر کمرہ کی طرف آرہا تھا۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ اُس کے ایک طرف لکڑی کی دیوار تھی۔ میں نے دیکھا۔ ایک دُبلی پتلی سفید کپڑوں میں ملبوس لڑکی مجھے دیکھ کر اس لکڑی کی دیوار سے چمٹ گئی۔ اور اپنا سارا لباس سمٹا لیا۔ میں نے کمرہ میں جا کر امۃ الحی مرحومہ سے پوچھا۔ امۃ الحی یہ لڑکی باہر کون کھڑی ہے۔ انہوں نے کہا آپ نے پہچانا نہیں۔

ایڈیٹر:۔ غلام نبی

بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے شائع کیا۔

ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم ہے میں نے کہا اس نے تو پردہ کیا تھا۔ اور اگر سامنے بھی ہوتی۔ تو میں اسے کب پہچان سکتا تھا۔ ۱۹۰۷ء کے بعد اس طرح مریم دوبارہ میرے ذہن میں آئی۔

سیدہ ام طاہر کا حضرت امیر المومنین سے نکاح

اب میں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا مریم کی شادی کی بھی کہیں تجویز ہے؟ جس کا جواب مجھے یہ ملا۔ کہ ہم سادات ہیں۔ ہمارے ہاں بیوہ کا نکاح نہیں ہوتا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں کسی جگہ شادی ہوگئی تو کردیں گے۔ ورنہ لڑکی اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ میرے لئے یہ سخت صدمہ کی بات تھی۔ میں نے بہت کوشش کی۔ کہ مریم کا نکاح کسی اور جگہ ہو جائے۔ مگر ناکامی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر میں نے مختلف ذرائع سے اپنے بھائیوں سے تحریک کی کہ اس طرح اس کی عمر ضائع نہ ہونی چاہیئے۔ ان میں سے کوئی مریم سے نکاح کرلے۔ لیکن اس کا جواب بھی نفی میں ملا۔ تب میں نے اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فعل کسی جان کی تباہی کا موجب نہ ہونا چاہیئے۔ اور اس وجہ سے کہ ان کے دو بھائیوں سید حبیب اللہ شاہ صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا۔ کہ میں مریم سے خود نکاح کرلوں گا۔ اور ۱۹۲۰ء میں اس کی بابت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم سے میں نے درخواست کردی۔ جو انہوں نے منظور کرلی اور ۷ رفروری ۱۹۲۱ء کو ہمارا نکاح مسجد مبارک کے قدیم حصہ میں ہوگیا۔ وہ نکاح کیا تھا ایک ماتم کدہ تھا۔ دعاؤں میں سب کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اور گریہ وزاری سے سب کے رخسار تر تھے۔ آخر ۲۱ر فروری ۱۹۲۱ء کو نہائت سادگی سے جاکر میں مریم کو اپنے گھر لے آیا۔ اور حضرت ام المومنین کے گھر میں ان کو اتارا جنہوں نے ایک کمرہ ان کو دے دیا۔ جس میں ان کی باری میں ہم رہتے تھے وہی کمرہ جس میں اب مریم صدیقہ رہتی ہیں۔ وہاں پانچ سال تک وہ رہیں۔ اور وہیں ان کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا۔ یعنی طاہر احمد (اول) مرحوم اور اس کے چلّے میں وہ سخت بیمار ہوئیں جو بیماری بڑھتے بڑھتے ایک دن انکی موت کا موجب ثابت ہوئی

شادی کے ابتدائی ایام

شادی کے ابتدائی ایام میں وہ سخت دبلی پتلی ہوتی تھیں۔ اور شکل میں بعض ایسے نقص تھے۔ جو میری طبیعت پر گراں گذرا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ ٹھیٹھ پنجابی بولتی تھیں۔ اور مجھے گھر میں کسی کا پنجابی بولنا زہر معلوم ہوتا ہے۔ ان کی طبیعت ہنسوڑ تھی وہ مجھے چڑانے کے لئے جان کر بھی اردو بولتے ہوئے پنجابی الفاظ اس میں ملا دیا کرتی تھیں۔ اسی طرح چونکہ باپ ماں کی وہ بہت لاڈلی تھیں۔ ذراسی بات بھی اگر ناپسند ہوتی۔ تو اس پر چڑ کر رونے لگ جاتی تھیں اور جب رونے لگتیں تو آنسوؤں کا ایک سیلاب آجاتا تھا۔ دو دو دن تک متواتر روتی رہتی تھیں۔ شاید یہ مرض ہسٹیریا کے سبب سے تھا۔ جب میں انگلستان گیا ہوں تو امۃ الحی مرحومہ اور ان کی باہمی لڑائی کی وجہ سے میں ان سے کچھ خفا تھا۔ مگر مجھے واپس آکر معلوم ہوا کہ غلطی زیادہ امۃ الحی مرحومہ کی تھی۔ اسی خفگی کی وجہ سے سفر کے پہلے چند روز میں نے مریم کو خط نہ لکھا۔ مگر الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے جلد سمجھ دے دی۔ اور میں نے ان کو ناجائز تکلیف میں پڑنے سے بچالیا۔ اٹلی سے میں نے ان کو ایک محبت سے پر خط لکھا۔ جسے انہوں نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس میں ایک شعر تھا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ روم اچھا شہر ہے۔ مگر تمہارے بغیر تو یہ بھی اجاڑ معلوم ہوتا ہے۔ اتفاقاً ایک دفعہ اس شعر کا ذکر ۱۹۳۰ء میں یعنی سفر ولایت کے سات سال بعد ہوا۔ تو وہ جھٹ اٹھ کر وہ خط لے آئیں۔ اور کہا کہ میں نے وہ خط سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ یہی شعر میں نے امۃ الحی مرحومہ کو بھی لکھا تھا۔ خدا کی قدرت یہ دونوں ہی فوت ہوگئیں۔ اور روم کی جگہ اس دنیا میں مجھے ان کے بغیر زندگی بسر کرنی پڑی۔

سیدہ امۃ الحی سے آخری وقت کا وعدہ

بہرحال جب میں سفر انگلستان سے واپس آیا۔ اور آنے کے چند ہی روز بعد امۃ الحی فوت ہوگئیں۔ تو ان کے چھوٹے بچوں کا سنبھالنے والا مجھے کوئی نظر نہ آتا تھا ادھر مرحومہ کے دل پر ان کی وفات کے وقت اپنے بچوں کی پرورش کا سخت بوجھ تھا۔ خصوصاً امۃ القیوم بیگم کے بارہ میں وہ بار بار کہتی تھیں۔ کہ رشید کو دائی نے پالا ہے اسے میرا اتنا خیال نہ ہوگا۔ خلیل ابھی ایک ماہ کا ہے اسے میں یاد بھی نہ رہوں گی۔ امۃ القیوم بڑی ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ کبھی وہ ایک کی طرف دیکھتی تھیں۔ اور کبھی دوسرے کی طرف مگر اس بارہ میں میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھیں۔ شاید سمجھتی ہونگی۔ مرد بچوں کو پال کیا جانیں۔ میں بار بار ان کی طرف دیکھتا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسرے لوگوں کی موجودگی سے شرما جاتا تھا۔ آخر ایک وقت خلوت کا مل گیا۔ اور میں نے امۃ الحی سے کہا امۃ الحی تم اس قدر فکر کیوں کرتی ہو۔ اگر میں زندہ رہا۔ تو تمہارے بچوں کا خیال رکھوں گا۔ اور انشاء اللہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا۔ میں نے ان کی تسلی کے لئے کہنے کو تو کہہ دیا۔ مگر سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کروں۔

وعدہ کا ایفا

آخر امۃ الحی کی وفات کی پہلی رات میں نے مریم سے کہا مریم مجھ پر ایک بوجھ آپڑا ہے۔ کیا تم میری مدد کرسکتی ہو۔ اللہ تعالےٰ کی ہزار ہزار برکتیں ان کی رُوح پر ہوں۔ وہ فوراً بول پڑیں ہاں میں ان کا خیال رکھونگی جس طرح ماں اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ میں ان کو پالونگی۔ اور دوسرے دن قیوم اور رشید کو لاکر میں نے ان کے حوالے کردیا نہ انہیں اور نہ مجھے معلوم تھا۔ کہ ہم اس وقت انکی موت کے فیصلہ پر دستخط کر رہے تھے۔ کیونکہ اس ذمہ داری کی وجہ سے انہیں بھی اور مجھے بھی بہت تکالیف پہنچیں۔ مگر ہم ان تکالیف کی وجہ سے محض اللہ تعالےٰ کے فضل کے طالب ہیں۔ مجھے امۃ الحی بہت پیاری تھی اور پیاری ہے۔ مگر میں دیانتداری سے یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگر وہ زندہ رہتیں تو اس طرح اپنے بچوں کی بیماری میں ان کی تیمارداری کرسکتیں۔ جس طرح مریم بیگم نے ان کے بچوں کی بیماریوں میں انکی تیمارداری کی۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کی رُوح کو اپنی گود میں اٹھالے۔ اور اللہ تعالےٰ مجھ پر بھی فضل فرمائے۔

انیس سالہ لڑکی کا یکدم تین بچوں کی ماں ہوجانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مگر انہوں نے خوشی سے اور جوش سے اس بوجھ کو اٹھایا۔ اور میری اس وقت مدد کی۔ جب ساری دنیا میں میرا کوئی مددگار نہ تھا۔ انہوں نے مجھے اس وعدہ کی ذمہ واری سے سبکدوش کیا۔ جس سے سبکدوش ہونا میرے بس کی بات نہ تھی۔ میری نظروں کے سامنے وہ نظارہ آج بھی ہے۔ جب میں قیوم اور رشید کو مرحومہ کے پاس لایا۔ اور انہوں نے پُرنم آنکھوں سے ان کو اپنے سینہ سے لگاتے ہوئے کہا کہ اب سے میں تمہاری امی ہوں اور یہ سہمی ہوئی بچیاں بھی اس وقت سسکتی ہوئیں ان کے گلے سے لگ گئیں

محبت کے لئے دعا جو خدا نے سن لی

میں نے ان سے اس وقت وعدہ کیا کہ مریم تم ان بے ماں کے بچوں کو پالو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں تم سے بہت محبت کرونگا۔ اور میں نے خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعا کی۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کی محبت میرے دل میں پیدا کردے۔ اور اس نے میری دعا سن لی۔ میں نے اس دن سے ان سے محبت کرنی شروع کردی۔ ان کیطرف سے سب انقباض دل سے نکل گیا۔ اور وہ میرے دل پر متسلط ہوگئیں۔ ان کی وہی شکل جو میری آنکھوں میں چبھتی تھی۔ اب مجھے ساری دنیا میں حسین ترین نظر آنے لگی۔ اور وہ لاابالی پن جس پر میں بُرا منایا کرتا تھا۔ اب مجھے ان کا پیدائشی حق معلوم دینے لگا۔

غضب کی ذہانت

مریم کچھ زیادہ لکھی پڑھی نہ تھیں۔ اور ان کا خط بھی بہت خراب تھا۔ استقلال سے پڑھنے لکھنے کا ملکہ بھی نہ تھا۔ صرف چند دن سبق لے کر چھوڑ دیتی تھیں۔ مگر ذہانت غضب کی تھی۔ آنکھ سے ماتھے کی شکنوں سے سانس سے چال سے اشارہ سے راز کو اس طرح پالیتی تھیں۔ کہ حیرت آتی تھی۔ انسان خیال کرتا تھا۔ کہ انہیں غیب معلوم کرنے کا کوئی نسخہ آتا ہے طبیعت سخت حساس تھی۔ جہاں طنز مد نظر نہ ہوتی تھی۔ انہیں طنز نظر آتی تھی۔ جہاں خفگی کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ خفگی کے آثار محسوس کرتی تھیں

دوسروں سے بڑھ کر بھی ان سے سلوک کرو۔ تو وہ سمجھتی تھیں۔ کہ مجھ سے بے انصافی ہو رہی ہے۔ یہ معاملہ ان کا مجھ سے ہی تھا۔ اور اسی معاملہ میں آ کر ان کی ذہانت بے کار ہو جاتی تھی۔

احمدیت پر سچا ایمان

مریم کو احمدیت پر سچا ایمان حاصل تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قربان تھیں ان کو قرآن کریم سے محبت تھی۔ اور اس کی تلاوت نہایت خوش الحانی سے کرتی تھیں انہوں نے قرآن کریم ایک حافظ سے پڑھا تھا۔ اس لئے ط ق خوب بلکہ ضرورت سے زیادہ زور سے ادا کرتی تھیں۔ علمی باتیں نہ کر سکتی تھیں۔ مگر علمی باتوں کا مزہ خوب لیتی تھیں۔ جمعہ کے دن اگر کسی خاص مضمون پر خطبہ کا موقعہ ہوتا تھا۔ تو واپسی پر میں اس یقین سے گھر میں گھستا تھا۔ کہ مریم کا چہرہ چمک رہا ہوگا۔ اور وہ جاتے ہی تعریفوں کے پل باندھ دینگی۔ اور کہیں گی آج بہت مزہ آیا۔ اور یہ قیاس میرا شاذ ہی غلط ہوتا تھا۔ میں دروازے پر انہیں منتظر پاتا۔ خوشی سے ان کے جسم کے اندر ایک کپکپاہٹ سی پیدا ہو رہی ہوتی تھی۔

بہادر دل کی عورت

مریم ایک بہادر دل کی عورت تھیں۔ جب کوئی نازک موقعہ آتا۔ میں یقین کے ساتھ ان پر اعتبار کر سکتا تھا۔ انکی نسوانی کمزوری اس وقت دب جاتی۔ چہرہ پر استقلال اور عزم کے آثار پائے جاتے۔ اور دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ اب موت یا کامیابی کے سوا اس عورت کے سامنے کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔ یہ مر جائے گی مگر کام سے پیچھے نہ ہٹے گی۔ ضرورت کے وقت راتوں اس میری محبوبہ نے میرے ساتھ کام کیا ہے اور تھکان کی شکایت نہیں کی۔ انہیں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا تھا۔ کہ یہ سلسلہ کا کام ہے۔ یا سلسلہ کے لئے کوئی خطرہ یا بدنامی ہے۔ اور وہ شیرنی کی طرح لپک کر کھڑی ہو جاتیں۔ اور بھول جاتیں اپنے آپ کو بھول جاتیں کھانے پینے کو بھول جاتیں اپنے بچوں کو بلکہ بھول جاتی تھیں مجھ کو بھی اور صرف انہیں وہ کام ہی یاد رہ جاتا تھا۔ اور اس کے بعد جب کام ختم ہو جاتا تو وہ ہوتیں یا گرم پانی کی بوتلیں جن میں لپٹی ہوئی وہ اس طرح اپنے درد کرنے والے جسم اور متورم پیٹ کو چاروں طرف سے ڈھانپے ہوئے لیٹ جاتیں کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا۔ یہ عورت ابھی کوئی بڑا اپریشن کروا کر ہسپتال سے آئی ہے اور وہ کام ان کے بیمار جسم کے لئے واقعہ میں بڑا اپریشن ہی ہوتا تھا۔

دیگر صفات

لذت حاصل کرنے کا مادہ مریم میں غضب کا تھا۔ ایک مردہ دل کو وہ زندہ دل بنا دیتی تھیں۔ گھوڑے کی سواری کی بے انتہا شوقین تھیں۔ بندوق چلانا بھی جانتی تھیں۔ اور اگر کبھی ان کا نشانہ میرے نشانہ سے بڑھ جاتا تو ان کی خوشی کی حد نہ رہتی۔ پہاڑ دریا کی سیر سے لذت اٹھانا انہی کو آتا تھا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں کشمیر میرے ساتھ گئیں۔ تو وہ ان کے ساون بھادوں کا موسم تھا۔ میں سنجیدگی کی طرف لاتا۔ اور کہ وہ قہقہوں کی طرف بھاگتیں نتیجہ یہ ہوا کہ نہ سنجیدگی رہی نہ قہقہے ساون کی جھڑیوں کی طرح جو آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہوئے تو کشمیر سے واپسی تک بہتے ہی چلے گئے۔ دوسری دفعہ ہم پھر مریم ہی کے کہنے پر کشمیر گئے۔ یہ سنہ ۱۹۲۹ء کا زمانہ تھا اب تین بچے مریم کے اپنے تھے۔ اور تین امۃ الحی مرحومہ کے اس سبب سے کچھ تو مریم میں سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ مجھے امۃ الحی مرحومہ کے بچوں کے پالنے کی وجہ سے ان کا لحاظ زیادہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اب ان کے قہقہوں کے لئے فضا سازگار ہو گئی تھی۔ پس اس دفعہ انہوں نے کشمیر کی خوب سیر کی۔ اور سنہ ۱۹۲۱ء کی کمی پوری کر لی مگر یہ حسرت پھر بھی رہ گئی۔ کہ مجھے ایک دفعہ کشمیر اکیلے دکھا دو۔ یعنی جب کوئی دوسری بیوی ساتھ نہ ہو۔

عجیب متضادات

مریم کی طبیعت میں یہ عجیب متضادات تھی۔ کہ میرے سب بچوں سے خواہ کسی ماں سے ہوں وہ بے انتہا محبت کرتی تھیں۔ بلکہ ادب تک کرتی تھیں۔ لیکن میری بیویوں سے ان کی نہ نبھتی تھی۔ گنواروں کی طرح لڑتی نہ تھیں۔ مگر دل میں غصہ ضرور تھا۔ ان کے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ کسی نہ کسی امر میں ان سے امتیازی سلوک ہو۔ اور چونکہ خدا اور رسول کے حکم کے ماتحت میں ایسا نہ کر سکتا تھا۔ وہ یہ یقین رکھتی تھیں۔ کہ میں ان سے محبت نہیں کرتا اور دوسری بیویوں سے زیادہ محبت کرتا ہوں

سیدہ ام طاہر کا ایک سوال اور اس کا جواب

بعض دفعہ خلوت کی گھڑیوں میں پوچھتی تھیں۔ کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے۔ اور میں اس کا جواب دیتا۔ کہ اس جواب سے مجھے خدا تعالےٰ کا حکم روکتا ہے۔ اور وہ ناراض ہو کر خاموش ہو جاتیں۔ ہاں گزشتہ چند سال سے انہوں نے یہ سوال کرنا چھوڑ دیا تھا۔ آج اگر انہیں اللہ تعالےٰ اس دنیا میں آ کر میرے دل سے نکلتے ہوئے ان شعلوں کو دیکھنے کا موقعہ دے۔ جو دل سے نکل نکل کر عرش تک جاتے ہیں۔ اور رحم کی استدعا کرتے ہوئے عرش کے پایوں سے لپٹ لپٹ جاتے ہیں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ ان کے سوال کا کیا جواب تھا۔ آج اگر انہیں دنیا میں آنے کا موقعہ مل جائے۔ اور وہ میرے ذکر الٰہی کے وقت یہ دیکھیں۔ کہ جب خدا تعالےٰ کی سبوحیت بیان کرتے کرتے اس کی پاکیزگی کا احساس میرے تن بدن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ تو میرے بدن پر ایک کپکپی آ جاتی ہے۔ اور اس سبوحیت کے آخری جلوہ کے وقت میرے مونہہ سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ اے سبوح خدا کیا میری مریم کو بھی تو پاک نہیں کر دے گا۔ یا جب اس کی حمد کا ذکر کرتے کرتے ساری دنیا میری نگاہ میں اس کی حمد کے ترانے گانے لگتی ہے۔ اور زمین و آسمان پر حمد ہی حمد کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ تو یکدم میرا جسم ایک جھٹکا کھاتا ہے۔ میرے دل کو ایک دھکا لگتا ہے۔ اور میری زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتا ہے۔ اے وہ خدا جس کی حمد ذرہ ذرہ کر رہا ہے۔ کیا میری مریم کو تو اپنی حمد کا مورد نہیں بنائے گا۔ ہاں اگر ان کی روح اس نظارہ کو دیکھ لے۔ تو وہ کتنی شرمندہ ہوں اس لمبی بدگمانی پر جو انہوں نے مجھ پر کی۔ اے میرے رب۔ اے میرے رب میں نے بھی ایک لمبے عرصہ تک تیرے حکم کو پورا کرنے کے لئے اپنے نفس پر جبر کیا ہے۔ کیا تو اس کے بدلہ میں میری مریم کو اگلے جہان میں خوش نہیں کر دے گا۔ میرے آقا تیری رحمت کے دامن کو چھوتا ہوں۔ اور تیرے عرش کے سامنے جبین نیاز رگڑتا ہوں۔ میری اس التجا کو سن اور اس چنگاری کو جو تو نے میرے دل میں سلگا دی ہے۔ ہم دونوں کے لئے کافی سمجھ اور اسے ہر آسیب اور ہر وحشت سے محفوظ رکھ۔

رشتہ داروں سے محبت

میری مریم کو میرے رشتہ داروں سے بہت محبت تھی۔ وہ ان کو اپنے عزیزوں سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ میرے بھائی میری بہنیں میرے ماموں اور ان کی اولادیں انہیں بے حد عزیز تھے۔ ان کی نیک رائے کو وہ بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ اور اس کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی تھیں۔ حضرت ام المومنین کی خدمت کا بے انتہا شوق تھا۔ اول اول جب آپ کے گھر میں رہی تھیں۔ تو ایک دو خادمہ سے ان کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ اس وجہ سے ایک دو سال کچھ حجاب رہا۔ مگر پھر یہ حجاب دور ہو گیا۔ ہمارے خاندان میں کسی کو کوئی تکلیف ہو سب سے آگے خدمت کرنے کو مریم موجود ہوتی تھیں۔ اور رات دن جاگنا پڑے۔ تو اس سے دریغ نہ ہوتا تھا۔ بچوں کی ولادت کے موقعہ پر شدید بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود زچہ کا پیٹ پکڑے گھنٹوں بیٹھتیں۔ اور اف تک زبان پر نہ آنے دیتیں۔

انتہا درجہ کی مہمان نوازی

مہمان نواز انتہا کی تھیں۔ ہر اک کو اپنے گھر میں جگہ دینے کی کوشش کرتیں۔ اور حتی الوسع جلسہ کے موقعہ پر بھی گھر میں ٹھہرنے والے مہمانوں کا لنگر سے کھانا نہ منگواتیں۔ خود تکلیف اٹھاتیں۔ بچوں کو تکلیف دیتیں۔ لیکن مہمان کو خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ بعض دفعہ اپنے پر اس قدر بوجھ لاد

لیتیں۔ کہ میں بھی خفا ہوتا۔ کہ آخر مہمان خانہ کا عملہ اسی غرض کے لئے ہے۔ تم کیوں اس قدر تکلیف میں اپنے آپ کو ڈال کر اپنی صحت برباد کرتی ہو۔ آخر تمہاری بیماری کی تکلیف مجھے ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر اس بارہ میں کسی نصیحت کا ان پر اثر نہ ہوتا۔ کاش اب جبکہ وہ اپنے رب کی مہمان ہیں۔ انکی یہ مہمان نوازیاں ان کے کام آجائیں۔ اور وہ کریم میزبان اس وادئ غربت میں بھٹکنے والی اس تنہا روح کو اپنی جنت الفردوس میں مہمان کر کے لے جائے۔

بلا کا حافظہ

امۃ الحی مرحومہ کی وفات پر لڑکیوں میں تعلیم کا رواج پیدا کرنے کے لئے میں نے ایک تعلیمی کلاس جاری کی۔ اس میں مریم بھی داخل ہوئیں۔ مگر ان کا دل کتاب میں نہیں کام میں تھا۔ وہ اس بوجھ کو اٹھا نہ سکیں۔ اور کسی نہ کسی بہانہ سے چند ماہ بعد تعلیم کو چھوڑ دیا۔ مگر حافظہ اس بلا کا تھا۔ کہ اسوقت کی پڑھی ہوئی بعض عربی کی نظمیں اب تک انہیں یاد تھیں۔ ابھی چند ماہ ہوئے نہایت خوش الحانی سے ایک عربی نظم مجھے سنائی تھی

سیدہ سارہ بیگم رضہ کے بچوں سے سلوک

جب میں نے تعلیم نسواں کے خیال سے سارہ بیگم مرحومہ سے شادی کی۔ تو مرحومہ نے خوشی سے ان کو اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ کیا۔ مگر اس وعدہ کو نباہ نہ سکیں۔ اور آخر الگ الگ انتظام کرنا پڑا۔ یہ باہمی رقابت سارہ بیگم کی وفات تک رہی۔ مگر بعد میں ان کے بچوں سے ایسا پیار کیا۔ کہ وہ بچے ان کو اپنی ماں کی طرح عزیز سمجھتے تھے۔

بیماری کی ابتداء

میں بتا چکا ہوں۔ کہ مریم بیگم کو پہلے بچہ کی پیدائش پر ہی اندرونی بیماری لگ گئی تھی جو ہر بچہ کی پیدائش پر بڑھ جاتی تھی۔ اور جب بھی کوئی محنت کا کام کرنا پڑتا۔ تو اس سے اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ میں نے اس کے لئے ہر چند علاج کروایا۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ دو دفعہ ایچی سن ہاسپٹل میں داخل کروا کر علاج کروایا۔ ایک دفعہ لاہور چھاؤنی میں رکھکر علاج کروایا۔ کرنل ہلٹن۔ کرنل ہیز۔ کرنل کاکس وغیرہ چوٹی

کے ڈاکٹروں سے مشورے بھی لئے۔ علاج بھی کروائے۔ مگر مرض میں ایسی کمی نہیں آئی۔ کہ صحت عود کر آئے۔ بلکہ صرف عارضی افاقہ ہوتا تھا۔ چونکہ طبیعت حساس تھی کسی بات کی برداشت نہ تھی۔ کئی دفعہ ناراضگی میں بیہوشی کے دورے ہو جاتے تھے۔ اور اُن میں اندرونی اعضاء کو اور صدمہ پہنچ جاتا تھا۔ آخر میں نے دل پر پتھر رکھکر اُن سے کہدیا کہ پھر دورہ ہوا۔ تو میں علاج کیلئے پاس نہ آؤنگا۔ چونکہ دورے ہسٹیریا کے تھے۔ میں جانتا تھا۔ کہ اس سے فائدہ ہوگا۔ اس کے بعد صرف ایک دورہ ہوا۔ اور میں ڈاکٹر صاحب کو بلا کر خود چلا گیا۔ اس وجہ سے آئندہ انہوں نے اپنے نفس کو روکنا شروع کر دیا۔ اور عمر کے آخری تین چار سالوں میں دورہ نہیں ہوا۔

لجنہ کے کام کو غیر معمولی ترقی دی

میں نے اوپر لکھا ہے۔ کہ ان کا دل کام میں تھا۔ کتاب میں نہیں۔ جب سارہ بیگم فوت ہوئیں تو مریم کے کام کی روح ابھری اور انہوں نے لجنہ کے کام کو خود سنبھالا۔ جماعت کی مستورات اس امر کی گواہ ہیں کہ انہوں نے باوجود علم کی کمی کے اس کام کو کیسا سنبھالا۔ انہوں نے لجنہ میں جان ڈالدی آج کی لجنہ وہ لجنہ نہیں۔ جو امۃ الحی مرحومہ یا سارہ بیگم مرحومہ کے زمانہ کی تھی۔ آج وہ ایک منظم جماعت ہے۔ جس میں ترقی کرنے کی بے انتہا قابلیت موجود ہے۔ انہوں نے کئی کو ناراض بھی کیا۔ مگر بہتوں کو خوش کیا۔ بیواؤں کی خبر گیری۔ یتامیٰ کی پرورش۔ کمزوروں کی پرسش۔ جلسہ کا انتظام۔ باہر سے آنیوالی مستورات کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات۔ غرض ہر بات میں انتظام کو آگے سے بہت ترقی دی۔ اور جب یہ دیکھا جائے۔ کہ اس انتظام کا اکثر حصہ گرم پانی سے بھری ہوئی ربڑ کی بوتلوں کے درمیان چارپائی پر لیٹے ہوئے کیا جاتا تھا۔ تو احسان شناس انسان کا دل اس کمزور ہستی کی محبت اور قدر سے بھر جاتا ہے۔ اے میرے رب تو اس پر رحم کر اور مجھ پر بھی۔

۱۹۴۲ء کی بیماری

۱۹۴۲ء میں میں سندھ میں تھا۔ کہ مرحومہ سخت بیمار ہوئیں۔ اور دل کی حالت

خراب ہوگئی۔ مجھے تار گئی۔ کہ دل کی حالت خراب ہے۔ میں نے پوچھا۔ کہ کیا میں آجاؤں۔ تو جواب گیا۔ کہ نہیں اب طبیعت سنبھل گئی ہے۔ یہ دورہ مہینوں تک چلا۔ اور کہیں جون جولائی میں جا کر کچھ افاقہ ہوا۔ اس سال انہی دنوں میں اُمّ ناصر احمد کو بھی دل کے دورے ہوئے۔ نہ معلوم اس کا کیا سبب تھا۔ ۱۹۴۳ء کے مئی میں میں ان کو دہلی لے گیا۔ کہ ان کا علاج حکیموں سے کرواؤں۔ حکیم محمود احمد خاں صاحب کے صاحبزادے کو دکھایا۔ اور علاج تجویز کر دیا۔ مگر مرحومہ علاج صرف اپنی مرضی کا کروا سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ علاج انہیں پسند نہ آیا۔ اور انہوں نے پوری طرح کیا نہیں۔ وہاں بھی چھوٹا سا ایک دورہ اندرونی تکلیف کا ہوا۔ مگر جلدی آرام آگیا۔ اس بیماری میں بھی جاتے آتے آپ ریل میں فرش پر لیٹیں اور میری دوسری بیویوں کے بچوں کو سیٹوں پر لٹوایا۔

حضرت امیر المومنین کی شدید علالت اور سیدہ ام طاہر رضہ کی انتہائی خدمتگذاری

دہلی سے واپسی کے معاً بعد مجھے سخت دورہ کھانسی بخار کا ہوا۔ جس میں مرحومہ نے حد سے زیادہ خدمت کی۔ ان گرمی کے ایام میں رات اور دن میرے پاس رہتیں اور اکثر پاخانہ کا برتن خود اٹھاتیں۔ اور خود صاف کرتیں۔ کھانا بھی پکاتیں۔ حتیٰ کہ پاؤں کے تلوے ان کے گھس گئے۔ میں جاگتا۔ تو ساری ساری رات ساتھ جاگتیں سو جاتا اور کھانسی اٹھتی تو سب سے پہلے وہ میرے پاس پہنچی ہوتی تھیں۔ جب کچھ افاقہ ہوا۔ اور ہم ڈلہوزی آئے۔ تو وہاں بھی باورچی خانہ کا انتظام پہلے انہوں نے لیا۔ اور کوٹھی کو باقرینہ سجایا۔ یہاں ان کو پھر شدید دورہ بیماری کا ہوا۔ مگر میری بیماری کی وجہ سے زیادہ تکلیف کا اظہار نہ کیا۔

چنبہ کا سفر

جب مجھے ذرا اور افاقہ ہوا۔ اور میں چنبہ گیا۔ تو باوجود بیمار ہونے کے اصرار کے ساتھ وہاں گئیں۔ اور گھوڑے کی سواری

کی۔ کیونکہ کچھ حصہ سفر میں ڈانڈی نہ ملی تھی میں نے سمجھایا۔ کہ اس طرح جانا مناسب نہیں۔ مگر حسب دستور یہی جواب دیا۔ کہ آپ چاہتے ہیں۔ کہ میں سیر نہ کروں میں ضرور جاؤنگی۔ آخر ان کی بیماری کی وجہ سے میں نے دوسروں کو روکا۔ اور اُن کو ساتھ لے گیا۔

رمضان میں مشقت

اس کے بعد رمضان آگیا۔ اور ہندوستانی عادت کے ماتحت قافلہ کے لوگوں نے غذا کے بارہ میں شکایات شروع کیں۔ اور ملازم آخر ملازم ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مرحومہ نے اس جان لیوا بیماری میں رات کو اٹھ اٹھ کر تین تین چار چار سیر کے پراٹھے سحری کے وقت پکا کر لوگوں کے لئے بھیجے۔ جس سے بیماری کے مقابلہ کی طاقت جسم سے بالکل جاتی رہی۔ میں تو کمزور تھا۔ روزے نہ رکھتا تھا۔ جب مجھے علم ہوا۔ میں نے ان کو روکا۔ مگر اس کا جواب انہوں نے یہی دیا۔ کہ کیا معلوم پھر ثواب کمانے کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اور اس عمل سے نہ رکیں۔

شدید دورہ

ہم واپس آئے۔ تو اُن کی صحت ابھی کمزور ہی تھی۔ تین چار ہفتوں کے بعد ہی پھر شدید دورہ ہوگیا۔ میں اسوقت گردے کی درد سے بیمار پڑا ہوا تھا اس وقت مجھے معلوم ہوا۔ کہ دورہ ایسا سخت ہے۔ کہ بچنے کی امید نہیں یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ مریم کی موت میری آنکھوں کے سامنے آئی۔ میں چل تو سکتا نہ تھا۔ اس لئے جب میرا کمرہ خالی ہوا۔ چارپائی پر اوندھے گر کر میں نے اپنے رب سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان کے لئے دعائیں کیں۔ اور خدا تعالےٰ نے فضل کیا اور اس وقت موت ٹل گئی۔ اور میں اچھا ہو کر وہاں جانے لگ گیا۔

مرض الموت کا حملہ

کچھ دنوں بعد پھر مجھے نقرس کا دورہ ہوا۔ اور پھر وہاں جانا چھٹ گیا۔ اسی وقت ڈاکٹروں کی غلطی سے ایک ایسا ٹیکہ لگایا گیا۔ جس

کے خلاف مریم بیگم نے بہت شور کیا۔ کہ یہ ٹیکہ مجھے موافق نہیں آتا۔ اس کے بعد اس ٹیکہ کے متعلق مجھے لاہور کے قیام میں بڑے بڑے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا۔ کہ مرحومہ کے مخصوص حالات میں وہ ٹیکہ واقعہ میں مضر تھا۔ اس ٹیکہ کا یہ اثر ہوا۔ کہ ان کا پیٹ یکدم پھول گیا اور اتنا پھولا۔ کہ موٹے سے موٹے آدمی کا اتنا پیٹ نہیں ہوتا۔ میں بیماری میں لنگڑاتا ہوا وہاں پہنچا۔ اور ان کی حالت زیادہ خطرناک پا کر لاہور سے کرنل ہیز کو اور امرتسر سے لیڈی ڈاکٹر واٹن کو بلوایا دوسرے دن یہ لوگ پہنچے۔ اور مشورہ ہوا کہ انہیں لاہور پہنچایا جائے۔ جہاں سترہ دسمبر ۱۹۴۳ء کو موٹر کے ذریعہ سے انہیں پہنچایا گیا۔ کرنل کی رائے تھی۔ کہ کچھ علاج کر کے کوشش کروں گا۔ کہ دواؤں سے ہی فائدہ ہو جائے۔ چنانچہ سترہ دسمبر سے آٹھ نو جنوری تک وہ اس کی کوشش کرتے رہے۔

اپریشن

مگر آخر یہ فیصلہ کیا۔ کہ اپریشن کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی رائے اس کے خلاف تھی۔ مگر مجھے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے میں نے مرحومہ سے ہی پوچھا کہ یہ حالات ہیں۔ تمہارا جو منشاء ہو۔ اس پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اپریشن کروا ہی لیں۔ گو مجھے اس طرح محفوظ الفاظ میں مشورہ دیا۔ مگر اُن کے ساتھ رہنے والی خاتون نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا۔ کہ وہ مجھ سے کہتی رہتی تھیں کہ دعا کرو کہیں وقت پر حضرت صاحب کا دل اپریشن سے ڈر نہ جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے نزدیک اپریشن کو ضروری سمجھتی تھیں۔ بہرحال چودہ جنوری کو ان کا اپریشن ہوا۔ اس وقت ان کی طاقت کا پورا خیال نہ رکھا گیا۔ اور پندرہ جنوری کو ان کے دل کی حالت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت ڈاکٹروں نے توجہ کی۔ اور انسانی خون بھی جسم میں پہنچایا گیا اور حالت اچھی ہو گئی اور اچھی ہوتی گئی۔

افاقہ کے بعد تشویشناک حالت

یہاں تک کہ ۵ ہر تاریخ کو مجھے کہا گیا۔ کہ اب چند دن تک ان کو ہسپتال سے رخصت کر دیا جائے گا۔ اور میں اجازت لیکر چند دن کے لئے قادیان آ گیا۔ میرے قادیان جانے کے بعد ہی ان کی حالت خراب ہو گئی۔ اور وہ زخم جسے مندمل بتایا جاتا تھا۔ پھر دوبارہ پورا کا پورا کھول دیا گیا۔ مگر مجھے اس سے غافل رکھا گیا۔ اور اس وجہ سے میں متواتر ہفتہ بھر قادیان ٹھہرا رہا۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ جنہوں نے اُن کی بیماری میں بہت خدمت کی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ انہوں نے متواتر تاروں اور فون سے تسلی دلائی۔ اور کہا کہ مجھے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اچانک جمعرات کی رات کو شیخ بشیر احمد صاحب کا فون ملا۔ کہ برادرم سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمشیرہ مریم کی حالت خراب ہے۔ آپ کو فوراً آنا چاہیئے۔ جس پر میں جمعہ کو واپس لاہور گیا۔ اور ان کو سخت کمزور پایا۔ یہ کمزوری ایسی تھی۔ کہ اس کے بعد تندرستی کی حالت ان پر پھر نہیں آئی۔

بیماری پر خرچ

دو نرسیں ان پر رات اور دن کے پہرہ کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ اور چونکہ ان کا خرچ پچاس ساٹھ روپیہ روزانہ ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس کا ان کے دل پر بہت بوجھ ہے۔ اور وہ بعض سہیلیوں سے کہتیں کہ میری وجہ سے ان پر اس قدر بوجھ پڑا ہوا ہے۔ مجھے کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی۔ تو میں نے ان کو تسلی دلائی۔ کہ مریم اس کی بالکل فکر نہ کرو میں یہ خرچ تمہارے آرام کے لئے کر رہا ہوں۔ تم کو تکلیف دینے کے لئے نہیں۔ اور ان کی بعض سہیلیوں سے بھی کہا۔ کہ ان کو سمجھاؤ کہ یہ خرچ میرے لئے عین خوشی کا موجب ہے۔ اور میرا خدا جانتا ہے کہ ایسا ہی تھا یہاں تک کہ ان کی بیماری کے لمبا ہونے پر میرے دل میں خیال آیا۔ کہ خرچ بہت ہو رہا ہے۔ روپیہ کا انتظام کس طرح ہو گا۔ تو دل میں بغیر ادنےٰ انقباض محسوس کئے گئے میں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ میں کوٹھی دار الحمد اور اس کا ملحقہ باغ فروخت کر دوں گا۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ اس کی موجودہ قیمت تو بہت زیادہ ہے لیکن ضرورت کے وقت اگر اسے اونے پونے بھی فروخت کیا جائے تو پچھتر ہزار کو وہ ضرور فروخت ہو جائے گی۔ اور اس طرح اگر ایک سال بھی مریم کے لئے یہ خرچ کرنا پڑا۔ تو چھ ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال تک ان کے خرچ کی طرف سے بے فکری ہو جائے گی۔ اور یہی نہیں میرا نفس مریم بیگم کے لئے اپنی جائداد کا ہر حصہ فروخت کرنے کے لئے تیار تھا۔ تا کسی طرح وہ زندہ رہیں خواہ بیماری ہی کی حالت میں۔

بیماری کی تکلیف سے بچانے کیلئے دعا

مگر کچھ دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا۔ کہ وہ بیماری سے سخت اذیت محسوس کر رہی ہیں۔ جو زخم کے درد کی وجہ سے ناقابل برداشت ہے۔ تب میں نے اپنے رب سے درخواست کرنی شروع کی۔ کہ اے میرے رب تیرے پاس صحت بھی ہے۔ پس تجھ سے میری پہلی درخواست تو یہ ہے۔ کہ تو مریم بیگم کو صحت دے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے تو سمجھتا ہے کہ اب مریم بیگم کا اس دنیا میں رہنا اس کے اور میرے دین و دنیا کے لئے بہتر نہیں۔ تو اے میرے رب پھر اسے اس تکلیف سے بچا لے۔ جو اس کے دین کو صدمہ پہنچائے۔

تکلیف میں کمی مگر ضعف میں زیادتی

اس دعا کے بعد جو ان کی وفات سے کوئی آٹھ نو دن پہلے کی گئی تھی۔ میں نے دیکھا ان کی درد کی تکلیف کم ہونی شروع ہو گئی۔ مگر اُن کے ضعف اور دل کے دوروں کی تکلیف بڑھنے لگی۔ ظاہری سبب یہ بھی پیدا ہوا۔ کہ ڈاکٹر برڈ جیسے جن کے علاج کے لئے اب ہم انہیں سر گنگا رام ہسپتال میں لے آئے تھے۔ انہیں افیون بھی دینی شروع کر دی تھی۔

آخری لمحات

بہرحال اب انجام قریب آ رہا تھا مگر اللہ تعالےٰ پر امید قائم تھی۔ میری بھی اور ان کی بھی۔ وفات سے پہلے دن ان کی حالت نازک دیکھ کر اقبال بیگم (جو ان کی خدمت کے لئے ہسپتال میں اڑھائی ماہ رہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں دونوں جہان میں بڑے مدارج عطا فرمائے) رونے لگیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ مجھے روتے ہوئے دیکھ کر مریم محبت سے بولیں۔ پگلی روتی کیوں ہو۔ اللہ تعالےٰ میں سب طاقت ہے۔ دعا کرو وہ مجھے شفا دے سکتا ہے۔ چار مارچ کی رات کو میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے مجھے بتایا۔ کہ اب دل کی حالت بہت نازک ہو چکی ہے۔ اب وہ دوائی کا اثر ذرا بھی قبول نہیں کرتا۔ اس لئے میں دیر تک وہاں رہا۔ پھر جب انہیں کچھ سکون ہوا۔ تو شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پر سونے کے لئے چلا گیا۔ کوئی چار بجے آدمی دوڑا ہوا آیا۔ کہ جلد چلیں حالت نازک ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا۔ کہ اب میری پیاری مجھ سے رخصت ہونے کو ہے۔ اور میں نے خدا تعالےٰ سے اپنے اور اس کے ایمان کے لئے دعا کرنی شروع کر دی۔ اب دل کی حرکت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور میرے دل کی ٹھنڈک دار الاخرۃ کی طرف اُڑنے کے لئے پر تول رہی تھی۔

آخری بات

کوئی دس بجے کے قریب میں پھر ایک دفعہ جب پاس کے کمرہ سے جہاں میں معالجین کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پاس گیا۔ تو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اور شدید ضعف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ مگر ابھی بول سکتی تھیں۔ کوئی بات انہوں نے کی۔ جس پر میں نے انہیں نصیحت کی۔ انہوں نے اس سے سمجھا کہ گویا میں نے یہ کہا ہے۔ کہ تم نے روحانی کمزوری دکھائی ہے۔ رحم کو ابھارنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اور کہا۔ کہ میرے پیارے آقا مجھے کافر کر کے نہ ماریں۔ یعنی اگر میں نے غلطی کی ہے تو مجھ پر ناراض نہ ہوں مجھے صحیح بات بتا دیں۔ اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ موت تیزی سے ان کی طرف بڑھتی آ رہی ہے۔ میرا احساس دل اب میرے قابو سے نکلا جا رہا تھا۔ میری طاقت مجھے جواب دے رہی تھی۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور مرحومہ سے وفاداری چاہتی ہے۔ کہ اس وقت میں انہیں ذکر الٰہی کی تلقین کرتا جاؤں۔ اور اپنی تکلیف کو بھول جاؤں۔ میں نے اپنے دل کو سنبھالا۔ اور ٹانگوں کو زور سے قائم کیا۔ اور مریم کے پہلو میں جھک کر نرمی سے کہا۔ تم خدا تعالےٰ پر بدظنی نہ کرو۔ وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نواسی (وہ سید تھیں) اور مسیح موعودؑ کی بہو کو کافر کر کے نہیں مارے گا۔

آخری گفتگو

اس وقت میرا دل چاہتا تھا۔ کہ ابھی چونکہ زبان اور کان کام کرتے ہیں میں ان سے کچھ محبت کی باتیں کر لوں۔ مگر میں نے فیصلہ کیا۔ کہ اب یہ اس جہان کی رُوح نہیں اُس جہان کی ہے۔ اب ہمارا تعلق اس سے ختم ہے۔ اب صرف اپنے رب سے اس کا واسطہ ہے۔ اس واسطہ میں خلل ڈالنا اس کے تقدس میں

خلل ڈالنا ہے۔ اور میں نے چاہا۔ کہ انہیں بھی آخری وقت کی طرف توجہ دلاؤں تاکہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں۔ مگر صاف طور پر کہنے سے بھی ڈرتا تھا۔ کہ ان کا کمزور دل کہیں ذکر الٰہی کا موقعہ پانے سے پہلے ہی بیٹھ نہ جائے۔ آخر سوچ کر میں نے ان سے اس طرح کہا کہ مریم مرنا تو ہر ایک نے ہے۔ دیکھو اگر میں پہلے مر جاؤں۔ تو میں اللہ تعالےٰ سے درخواست کرونگا۔ کہ وہ کبھی کبھی مجھ کو تمہاری ملاقات کے لئے اجازت دیا کرے۔ اور اگر تم پہلے فوت ہو گئیں۔ تو پھر تم اللہ تعالےٰ سے درخواست کرنا۔ کہ وہ تمہاری روح کو کبھی کبھی مجھ سے ملنے کی اجازت دے دیا کرے۔ اور مریم اس صورت میں تم میرا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود سے سلام کہنا۔

تلاوت قرآن

اس کے بعد میں نے کہا مریم تم بیماری کی وجہ سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں۔ آؤ میں تم کو قرآن کریم پڑھ کر سناؤں۔ پھر میں نے سورۂ رحمٰن جو ان کو بہت پیاری تھی پڑھ کر سنانی شروع کی (مجھے اس کا علم نہ تھا بعد میں ان کی بعض سہیلیوں نے بتایا کہ ایسا تھا) اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی سنانا شروع کیا۔ جب میں سورۃ پڑھ چکا۔ تو انہوں نے آہستہ آواز میں کہا کہ اور پڑھیں۔ تب میں نے سمجھ لیا۔ کہ وہ اپنے آخری وقت کا احساس کر چکی ہیں۔ اور تب میں نے سورۂ یٰسٓ پڑھنی شروع کر دی:۔

آخری دعائیں

اس کے بعد چونکہ اب اپنے آخری وقت کا انکشاف ہو چکا تھا۔ کسی بات پر جو انہوں نے مجھے کہا کہ میرے پیارے تو میں نے ان سے کہا مریم اب وہ وقت ہے کہ تم کو میرا پیار بھی بھول جانا چاہیئے۔ اب صرف اسی کو یاد کرو۔ جو میرا بھی اور تمہارا بھی پیارا ہے۔ مریم اسی پیارے کو یاد کرنے کا یہ وقت ہے۔ اور میں نے کبھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور کبھی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اور کبھی بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھنا شروع کیا۔ اور ان سے کہا کہ وہ اسے دہراتی جائیں۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ ان کی زبان اب خود بخود اذکار پر چل پڑی ہے۔ چہرہ پر عجیب قسم کی ملائمت پیدا ہو گئی۔ اور علامات سے ظاہر ہونے لگا۔ جیسے خدا تعالےٰ کو سامنے دیکھ کر ناز سے اس کے رحم کی درخواست کر رہی ہیں۔ نہایت میٹھی اور پیاری اور نرم آواز سے انہوں نے بار بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ کہنا شروع کیا۔ یہ الفاظ وہ اس انداز سے کہتیں اور اَسْتَغِیْثُ کہتے وقت ان کے ہونٹ اس طرح گول ہو جاتے کہ معلوم ہوتا تھا اپنے رب پر پورا یقین رکھتے ہوئے اس سے ناز کر رہی ہیں۔ اور صرف عبادت کے طور پر یہ الفاظ کہہ رہی ہیں۔ ورنہ ان کی روح اس سے کہہ رہی ہے۔ کہ میرے رب مجھے معلوم ہے تو مجھے معاف کر ہی دیگا۔ اس کے بعد میں نے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کو بلوایا۔ کہ اب مجھ میں برداشت نہیں۔ آپ تلقین کرتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ دیر تلاوت اور اذکار کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لئے پھر میں آ گیا۔ پھر میر صاحب تشریف لے آئے۔ باری باری ہم تلقین کرتے رہے۔ اب انکی آواز رک گئی تھی۔ مگر ہونٹ ہل رہے تھے۔ اور زبان بھی حرکت کر رہی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر لطیف صاحب دہلی سے تشریف لے آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے سانس پر دباؤ ہے اور ڈر ہے۔ کہ جانکنی کی تکلیف زیادہ سخت نہ ہو۔ اس لئے آکسیجن گیس سنگھانی چاہیئے۔ چنانچہ وہ لائی گئی اور اس کے سنگھانے سے سانس آرام سے چلنے لگ گیا۔ مگر آہستہ ہوتا گیا لیکن ہونٹوں میں اب تک ذکر کی حرکت تھی۔

خدا تعالےٰ کا فیصلہ صادر ہو گیا

آخر دو بج کر دس منٹ پر جبکہ میں گھبرا کر باہر نکل گیا تھا۔ عزیزم میاں بشیر احمد صاحب نے باہر نکل کر مجھے اشارہ کیا۔ کہ آپ اندر چلے جائیں۔ اس اشارہ کے معنے یہ تھے۔ کہ خدا تعالےٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ میں اندر گیا۔ اور مریم کو بے حس و حرکت پڑا ہوا پایا۔ مگر چہرہ پر خوشی اور اطمینان کے آثار تھے۔ ان کی لمبی تکلیف اور طبیعت کے چڑچڑاپن کی وجہ سے مجھے ڈر تھا۔ کہ وفات کے وقت کہیں کسی بے صبری کا اظہار نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے ان کے شاندار اور مومنانہ انجام پر میرے مونہہ سے بے اختیار الحمد للہ نکلا۔

سجدۂ شکر

اور میں ان کی چارپائی کے پاس قبلہ رخ ہو کر خدا تعالےٰ کے حضور سجدہ میں گر گیا۔ اور دیر تک اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا رہا۔ کہ اُس نے ان کو ابتلا سے بچایا۔ اور شکر گزاری کی حالت میں ان کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد ہم نے ان کے قادیان لے جانے کی تیاری کی۔ اور شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر لا کر انہیں غسل دیا گیا۔ پھر موٹروں اور لاریوں کا انتظام کر کے قادیان خدا کے مسیحؑ کے گھر میں ان کو لے آئے۔ ایک رات ان کو انہی کے مکان کی نچلی منزل میں رکھا۔ اور دوسرے دن عصر کے بعد بہشتی مقبرہ میں ان کو خدا تعالےٰ کے مسیحؑ کے قدموں میں ہمیشہ کی جسمانی آرام گاہ میں خود میں نے سر کے پاس سے سہارا دے کر اتارا اور لحد میں لٹا دیا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھَا وَارْحَمْنِیْ۔

اولاد

مرحومہ کی اولاد چار بچے ہیں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ یعنی امۃ الحکیم۔ امۃ الباسط طاہر احمد اور امۃ الجمیل سلّمہم اللہ تعالےٰ وکان معہم فی الدنیا والآخرۃ۔

جب مرحومہ کو لے کر ہم شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچے۔ تو چھوٹی لڑکی امۃ الجمیل جو ان کی اور میری بہت لاڈلی تھی۔ اور کُل سات برس کی عمر کی ہے۔ اُسے میں نے دیکھا۔ کہ ہائے اُمّی ہائے اُمّی کہہ کر چیخیں مار کر رو رہی ہے۔ میں اس بچی کے پاس گیا۔ اور اُسے کہا جمی (ہم اُسے جمی کہتے ہیں) اُمّی اللہ میاں کے گھر گئی ہیں۔ وہاں اُن کو زیادہ آرام ملے گا اور اللہ میاں کی یہی مرضی تھی۔ کہ اب وہ وہاں چلی جائیں۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ تمہارے دادا جان فوت ہو گئے۔ کیا تمہاری اُمّی ان سے بڑھ کر تھی۔ میرے خدا کا سایہ اس بچی سے ایک منٹ کے لئے بھی جدا نہ ہو۔ میرے اس فقرہ کے بعد اس نے ماں کے لئے آج تک کوئی چیخ نہیں ماری۔ اور یہ فقرہ سنتے ہی بالکل خاموش ہو گئی۔ بلکہ دوسرے دن جنازہ کے وقت جب اس کی بڑی بہن جو کچھ بیمار ہے۔ صدمہ سے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ تو میری چھوٹی بیوی مریم صدیقہ کے پاس جا کر میری جمی ان سے کہنے لگی۔ چھوٹی آپا (انہیں بچے چھوٹی آپا کہتے ہیں) باجی کتنی پاگل ہے۔ ابا جان کہتے ہیں۔ اُمّی کے مرنے میں اللہ کی مرضی تھی۔ یہ پھر بھی روتی ہے:۔ اے میرے رب! اے میرے رب! جس کی چھوٹی بچی نے تیری رضاء کے لئے اپنی ماں کی موت پر غم نہ کیا کیا تُو اسے اگلے جہان میں ہر غم سے محفوظ نہ رکھے گا۔ اے میرے رحیم خدا! تجھ سے ایسی امید رکھنا تیرے بندوں کا حق ہے۔ اور اس امید کا پورا کرنا تیرے شایانِ شان ہے۔

ایک دوسرے کو سمجھنے کی حسرت

میری مریم جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اپنی بیماری کی وجہ سے اس وہم میں اکثر مبتلا رہتیں۔ کہ میں اُن سے محبت نہیں کرتا۔ یا یہ کہ دوسروں سے کم کرتا ہوں۔ اور اس وجہ سے دوسرے لوگوں سے تو اچھی رہتیں۔ مگر مجھ سے بہت دفعہ جھگڑ پڑتیں۔ اور ہماری زندگی محبت اور تنازع کا ایک معجون سا تھی۔ میں ان سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اور تکلیف کے وقت اُن کی شکل دیکھ لینا میری کوفت کو کم کر دیتا تھا۔ مگر وہ اس وہم میں رہتیں۔ کہ مجھ سے محبت کم کی جاتی ہے۔ لیکن آخری بیماری میں جو دو عورتیں باری باری ان کی صحبت میں رہیں۔ انہوں نے مجھے الگ الگ سنایا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ پہلی نے سنایا کہ انہوں نے اس امر کا اظہار کیا۔ کہ میرا خیال تھا۔ کہ حضرت صاحب کو مجھ سے محبت نہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ میری بیماری میں جو انہوں نے خدمت کی ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ ان کو مجھ سے بہت محبت ہے۔ اگر میں زندہ رہی۔ تو میں انکے پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔ اور دوسری نے سنایا کہ مجھ سے انہوں نے کہا۔ کہ اب مجھے تسلی ہو گئی ہے۔

کہ مجھ سے ان کو بہت محبت ہے۔ اگر میں زندہ رہی۔ تو میں اپنی عمر ان کی خدمت میں خرچ کر دوں گی۔ مگر قسمت کا پھیر دیکھو کہ دونوں نے ان کی وفات کے بعد یہ بات مجھ سے بیان کی۔ اگر وہ ان کی زندگی میں مجھ سے یہ بات کہتیں۔ تو میرے لئے کتنی خوشی کا موجب ہوتا۔ میں ان کے پاس جاتا اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہتا۔ کہ مریم تم فکر نہ کرو۔ تم کو نہ خدمت کی ضرورت ہے اور نہ پاؤں دھونے کی۔ تمہارے دل میں اس خیال کے آنے سے ہی مجھے میری ساری محبت کا بدلہ مل گیا ہے۔ شاید اس سے انہیں بھی تسلی ہوتی اور میرا دل بھی خوش ہو جاتا۔ اگر ایک منٹ کے لئے بھی ہم ایک دوسرے کے سامنے اس طرح کھڑے ہو جاتے۔ کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھ رہے ہوتے۔ تو یہ لمحہ ہم دونوں کے لئے کیسا خوش کن ہوتا۔ مگر اللہ تعالےٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ شاید ہمارے گناہوں کی شامت ہم سے ایک بڑی قربانی کا تقاضا کر رہی تھی۔

حواس آخری سانس تک قائم رہے

عجیب بات ہے کہ باوجود اس قدر لمبی بیماری کے مریم بیگم کے حواس نزع کی آخری گھڑیوں تک قائم رہے۔ وفات سے دو دن پہلے جب ضعف انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔ مجھ سے کہا۔ کہ چھوٹے میز پوش منگوا دیں۔ میں نے مریم صدیقہ سے کہا کہ وہ موٹر میں جا کر پسند کر لائیں۔ میں نے جب مرحومہ کو میز پوش دکھایا۔ تو غنودگی کی حالت میں انہوں نے کہا۔ کہ اچھا ہے۔ ایک درجن میز پوش منگوا دیں۔ میں نے سمجھا کہ ان کے حواس ٹھیک نہیں رہے۔ کیونکہ ہسپتال کے کمرہ میں تو ایک چائے کی میز تھی۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ بہت اچھا۔ اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میں گھبرا کر باہر آ گیا تھوڑی دیر کے بعد ان کی مصاحبہ کمرہ سے باہر آئی۔ اور کہا کہ بی بی بلاتی ہیں۔ میں گیا۔ تو انہوں نے زور سے اپنی غنودگی پر قابو پا لیا تھا۔ مگر ضعف بدستور تھا۔ مجھے اشارہ سے نزدیک کر کے کہا کہ آپ گھبرا گئے۔ میں ہوش میں ہوں۔ میں نے ہسپتال کے لئے نہیں بلکہ گھر کے لئے میز پوش منگوائے تھے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بات ان کے کمزور دل نے بعد میں بنائی۔ اصل میں یہی بات تھی کہ وقتی غنودگی ان پر آئی۔ لیکن اس قدر سمجھ تھی۔ کہ میری گھبراہٹ کو تاڑ لیا۔ اور اُن کے نفس نے اپنا محاسبہ کر کے معلوم کر لیا۔ کہ میں کوئی غلطی کر بیٹھی ہوں۔ اور اس رنگ میں میز پوشوں کی بات کو حل کیا۔ کہ وہ بات معقول ہو گئی۔ اور پھر مجھے بلا کر تسلی دینے کی کوشش کی۔

تیمار داری کرنیوالوں کیلئے دعا

مریم بیگم کی بیماری میں سب سے زیادہ شیر محمد خاں صاحب آسٹریلیا والوں کی بیوی اقبال بیگم نے خدمت کی۔ اڑھائی مہینہ اس نیک بخت عورت نے اپنے بچوں کو اور گھر کو بھلا کر رات اور دن اس طرح خدمت کی کہ مجھے وہم ہونے لگ گیا تھا۔ کہ کہیں یہ پاگل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالےٰ ان برادران کے سارے خاندان پر ہمیشہ اپنے فضل کا سایہ رکھے۔ پھر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں جن کو ان کی بیت طبی اور متواتر خدمت کا موقعہ ملا۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے کئی ماہ تک ہماری مہمان نوازی کی۔ اور دوسرے کاموں میں امداد کی۔ میاں احسان اللہ صاحب لاہوری نے دن رات خدمت کی یہاں تک کہ میرے دل سے دعا نکلی۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ حکیم سراج الدین صاحب بھاٹی دروازہ والوں نے برابر ان کی ہمراہی عورت کا اڑھائی ماہ تک کھانا پہنچایا۔ اور خود بھی اکثر ہسپتال میں آتے رہے۔ ڈاکٹر معراج الدین صاحب کو رعشہ کا مرض ہے۔ اور بوڑھے آدمی ہیں۔ اس حالت میں کانپتے اور ہانپتے اور لرزتے ہوئے جب ہسپتال میں آ کر کھڑے ہو جاتے۔ کہ میں نکلوں تو وہ مجھ سے مریضہ کا حال پوچھیں۔ تو کئی دفعہ اللہ تعالےٰ کے اس احسان کو دیکھ کر کہ مجھ ناکارہ کی محبت اس نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ لاہور کے اور بہت سے احباب نے نہایت اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ اور بہت سی خدمات ادا کیں۔ سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی کے خاندان نے اخلاص کا ایسا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ کہ حقیقی بھائیوں میں بھی اس کی مثال کم ملتی ہے۔ حیدر آباد جیسے دور دراز مقام سے پہلے انکی بہو اور بیٹیاں دیر تک قادیان رہیں۔ اور بار بار لاہور جا کر خبر پوچھتی رہیں۔ آخر جب وہ وطن واپس گئیں۔ تو عزیزم سیٹھ محمد اعظم اپنا کاروبار چھوڑ کر حیدر آباد سے لاہور آ بیٹھے۔ اور مرحومہ کی وفات کے عرصہ بعد واپس گئے۔ ڈاکٹر لطیف صاحب کئی دفعہ دہلی سے دیکھنے آئے۔ میرے خاندان کے بہت سے افراد نے بھی محبت سے قربانیاں کیں۔ مگر ان پر تو حق تھا۔ میں ان لوگوں کو سوائے دُعا کے اور کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اَے میرے رب تُو ان سب پر اور اُن سب پر جن کے نام میں نہیں لکھ سکا۔ یا جن کا مجھے علم بھی نہیں۔ اپنی برکتیں اور فضل نازل کر۔ اے میرے رب مَیں محسوس کرتا ہوں۔ کہ یہ تیرے نیک بندے مجھ سے زیادہ مخلص اور خادم رہنما کے مستحق ہیں۔ مَیں اور کن لفظوں سے ان کی سفارش تیرے پاس کر سکتا ہوں۔

جماعت کی طرف سے اظہار اخلاص

مریم بیگم کی وفات پر جس اخلاص کا اظہار جماعت نے کیا۔ وہ ایمان کو نہایت ہی بڑھانے والا تھا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت ہی ہے۔ جس نے جماعت میں ایسا اخلاص پیدا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قبول کرے۔ ان کی غلطیوں کو دُور کرے۔ اور نیکیوں کو بڑھائے۔ اور اُن کی آئندہ نسلوں کی اپنے ہاتھوں سے تربیت فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

اے میرے رب تکلیف دہ یاد دِل سے نکال دے

اے میرے رب میں اب اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور بخاری میں مذکور مشہور واقعہ کو تجھے یاد دلاتے ہوئے تجھ سے کہتا ہوں۔ کہ اگر مریم بیگم کی وفات کے وقت باوجود دل سے خون ٹپکنے کے مَیں نے اس کے آخری لمحوں کو صرف تیری ہی محبت کے لئے وقف رکھنے کے لئے کوشش کی تھی اور اپنے جذبات کو اس لئے قربان کر دیا تھا۔ کہ تیرے ایک بندہ کی روح تیری ہی محبت سے چمٹ کر تیرے پاس پہنچے۔ تو اے میرے پیارے اگر میرا وہ فعل تیرے لئے اور تیرے نام کی بڑائی کے لئے تھا۔ تو تُو اس کے بدلہ میں میرے دل سے مریم کی تکلیف دہ یاد کو نکال دے اے میرے رب جب مریم بیگم نے امۃ الحی مرحومہ کے بچوں کو پالنے کا وعدہ کیا اور میں نے اس سے وعدہ کیا۔ کہ میں اس سے بہت محبت کرونگا۔ تو اس وقت مَیں نے تجھ سے دُعا کی تھی۔ کہ تو اس کی محبت میرے دل میں ڈال دے۔ اور تو نے میری دُعا سُنی۔ اور باوجود ہزاروں بدمزگیوں کے اس کی محبت میرے دل سے نہیں نکلی۔ آج میں تجھ سے پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ اسکی محبت تو میرے دل میں رہے۔ کہ میں اس کیلئے دُعا کرتا رہوں۔ مگر اس کی تکلیف دہ یاد میرے دل سے جاتی رہے۔ تا مَیں تیرے دین کی خدمت اچھی طرح اور آخری وقت تک ادا کرتا رہوں۔ اے میرے رب میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اب کہ مریم اگلے جہان میں ہیں اور حقائق ان پر واضح ہو چکے ہیں۔ اگر تو ان پر یہ امر منکشف فرمائے۔ تو وہ بھی اس امر کو بُرا نہیں منائے گی۔ بلکہ خود بھی تجھ سے یہی عرض کریگی۔ کہ میرے خاوند نے میری رُوح کو بابرکت بنانے کے لئے مجھ سے میری آخری گھڑیوں میں درخواست کی تھی۔ کہ مریم میری محبت کو بھول جاؤ۔ خدا تعالیٰ ہی ہمارا پیارا ہے۔ پس اسی کو یاد رکھو۔ اب میں اس کی سفارش کرتی ہوں کہ اس کے دل سے میری وہ محبت جو اُس نے تجھ سے دُعا کر کے لی تھی۔ اب واپس لے لے۔ نہ اس قدر کہ وُہ میرے لئے دُعاؤں میں غافل ہو جائے۔ بلکہ وہ محبت جو اسکے دل میں تشویش پیدا کرنے والی ہو اور اس کے کام میں روک بننے والی ہو۔

ساری جماعت کیلئے جامع دُعا

اے میرے رب تو کتنا پیارا ہے۔ نہ معلوم میری موت کب آنے والی ہے۔ اس لئے مَیں آج ہی اپنی ساری اولاد اور اپنے سارے عزیز و اقارب اور ساری احمدیہ جماعت تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اے میرے رب تُو ان کا ہو جا۔ اور یہ تیرے ہو جائیں۔ میری آنکھیں اور میری رُوح ان کی تکلیف نہ دیکھیں۔ یہ بڑھیں اور

پھلیں اور پھولیں اور تیری بادشاہت کو دنیا میں قائم کر دیں۔ اور نیک نسلیں چھوڑ کر جو ان سے کم دین کی خادم نہ ہوں تیرے پاس واپس آئیں۔ خدایا صدیوں تک تو مجھے ان کا دکھ نہ دکھائیو۔ اور میری روح کو ان کے لئے غمگین نہ کیجیو۔ اور اے میرے رب میری امۃ الحی اور میری سارہ اور میری مریم پر بھی اپنے فضل کر اور ان کا حافظ و ناصر ہو جا۔ اور انکی ارواح کو اگلے جہان کی ہر وحشت سے محفوظ رکھ۔ اللھم آمین۔

آخری درد بھرا پیغام

اے مریم کی روح اگر خدا تعالیٰ تم تک میری آواز پہنچا دے۔ تو لو یہ میرا آخری درد بھرا پیغام سن لو۔ اور جاؤ خدا تعالیٰ کی رحمتوں میں جہاں غم کا نام کوئی نہیں جانتا۔ جہاں درد کا لفظ کسی کی زبان پر نہیں آتا۔ جہاں ہم ساکنین ارض کی یاد کسی کو نہیں ستاتی۔ والسلام۔ واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

أَبْكِي عَلَيْكِ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ∗ أَرْثِيكِ يَا زَوْجِي بِقَلْبٍ دَامِي

میں تجھ پر ہر دن اور ہر رات روتا ہوں
اے میری بیوی میں تیری وفات کا افسوس خون بہانیوالے دل سے کرتا ہوں

صِرْتُ كَصَيْدٍ صِيْدَ فِي الصُّبْحِ غِيْلَةً ∗ قَدْ غَابَ عَنِّي مَقْصَدِي وَمَرَامِي

میں تیری موت پر اس شکار کی طرح ہو گیا جسے صبح کے وقت جب وہ بے فکر غذا کھانے کیلئے نکلتا ہی پھانس لیا جاتا ہے۔
ایسا یکدم صدمہ پہنچا کہ مجھے یوں معلوم ہوا۔ کہ میں بھول گیا ہوں کہ میرا رخ کدھر کو تھا اور میں کدھر جا رہا تھا۔

لَوْلَمْ يَكُنْ تَائِيْدُ رَبِّي مُسَاعِدِي ∗ لَأَصْبَحْتُ مَيْتًا عُرْضَةً لِسِهَامِي

اگر خدا تعالیٰ کی تائید میری مدد پر نہ ہوتی
تو میں اپنے ہی دل کے تیروں کا نشانہ بن کر مردار کی طرح ہو جاتا

وَلٰكِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ جَاءَ لِنَجْدَتِي ∗ وَأَنْقَذَنِي مِنْ زَلَّةِ الْأَقْدَامِ

مگر اللہ کا فضل میری مدد کے لئے آ گیا۔
اور اس نے مجھے قدموں کے پھسلنے سے محفوظ رکھا۔

يَا رَبِّ سَتِّرْنِي بِجُنَّةِ عَفْوِكَ ∗ كُنْ نَاصِرِي وَمُصَاحِبِي وَمُحَامِي

اے میرے رب مجھے اپنی بخشش کی ڈھال سے ڈھانپ لے۔
اے میرے مددگار اے میرے ساتھی اور میرے محافظ

اَلْغَمُّ كَالضِّرْغَامِ يَأْكُلُ لَحْمَنَا ∗ لَا تَجْعَلَنِّي لُقْمَةَ الضِّرْغَامِ

غم شیر کی طرح ہوتا ہے اور ہمارے گوشت کو کھا جاتا ہے
اے خدا مجھے اس شیر کا لقمہ نہ بننے دیجیو۔

يَا رَبِّ صَاحِبْهَا بِلُطْفِكَ دَائِمًا ∗ وَاجْعَلْ لَهَا مَأْوًى بِقَبْرٍ سَامِي

اے میرے رب ہمیشہ اسکے ساتھ رہنا اور اپنا فضل اس پر نازل کرتے رہنا
اور اس کا ٹھکانا ایک بلند شان قبر میں بنانا۔

يَا رَبِّ أَنْعِمْهَا بِقُرْبِ مُحَمَّدٍ ∗ ذِي الْمَجْدِ وَالْإِحْسَانِ وَالْإِكْرَامِ

اے میرے رب اپنے فضل سے اسے محمد رسول اللہ کے قرب میں جگہ دینا
جو بڑی بزرگی والے ہیں بڑا احسان کرنے والے ہیں۔ اور جن کو تو نے بہت عزت بخشی ہے

اس دنیا کی سب محبتیں عارضی ہیں اور صدمے بھی۔ اصل محبت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس میں ہو کر ہم اپنے مادی عزیزوں سے مل سکتے ہیں۔ اور اس سے جدا ہو کر ہم سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔ ہماری ناقص عقلیں جن امور کو اپنے لئے تکلیف کا موجب سمجھتی ہیں۔ بسا اوقات ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس میں تو یہی کہتا ہوں۔ کہ میرا دل جھوٹا ہے اور میرا خدا سچا ہے۔ والحمد للہ علیٰ کل حال۔

خدا تعالیٰ کے فضل کا طالب
مرزا محمود احمد

تازہ اور ضروری خبروں کا خلاصہ

دہلی ۱۰ جولائی گاندھی جی نے مسٹر راج گوپال اچاریہ کی وساطت سے مسٹر جناح کو یہ فارمولا پیش کیا ہے۔ کہ مسلم لیگ آزادی ہند کے مطالبہ کی حمایت کرے۔ اور عارضی حکومت کے قیام میں کانگرس سے تعاون کرے تو جنگ کے بعد ایک کمیشن مسلم اکثریت والے صوبوں کی حد بندی کرے گا۔ اور ان صوبوں کی آبادی کے استصواب رائے سے ہندوستان سے ان صوبوں کی علیحدگی کے سوال کا فیصلہ ہو گا۔ لیکن صوبہ سرحد کے اضلاع کو اختیار ہو گا کہ وہ پاکستان میں شامل ہوں یا ہندوستان میں۔ مسٹر جناح نے اس فارمولا کو مسلم لیگ کونسل میں پیش کرنا چاہا۔ مگر گاندھی جی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور مطالبہ کیا۔ کہ مسٹر جناح ذاتی حیثیت میں اس فارمولا کی منظوری دیں۔ مگر مسٹر جناح کا جواب یہ ہے۔ کہ میں تجاویز کو منظور یا مسترد کرنے کی ذمہ واری نہیں لے سکتا

بمبئی ۹ جولائی ٹیکسٹائیل کمشنر نے اعلان کیا ہے۔ کہ اس وقت ہندوستان میں اتنا کپڑا تیار ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص کو اوسطاً بارہ گز سالانہ مل سکتا ہے۔

جالندھر ۱۰ جولائی۔ ڈسٹرکٹ زمیندارہ لیگ کے اجلاس میں ملک خضر حیات صاحب پر کامل اعتماد کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

لنڈن ۱۰ جولائی۔ اٹلی میں لیگ ہارن کے جنوب مشرق میں سخت لڑائی ہو رہی ہے والٹریا کے بعد پیش قدمی جاری ہے۔ ایڈریاٹک کے محاذ پر دشمن کے سخت جوابی حملے روک دیئے گئے

دہلی ۱۰ جولائی ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے۔ کہ اکھرول کے علاقہ میں دشمن کی باقاعدہ مزاحمت ختم ہو چکی ہے۔ شمالی برما میں چینی فوجوں نے اپنی حالت مضبوط بنالی ہے اپھال سے اکھرول جانے والی سڑک کے شمال میں دو چوکیاں دشمن سے چھین لی گئیں جنوب میں تین گاؤں جاپانیوں سے صاف کئے گئے

واشنگٹن ۱۱ جولائی جزیرہ سائپان پر امریکی فوج کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہ فتح امریکن فوج نے ساحل پر اترنے سے چار ہفتہ کے عرصہ میں کی ہے۔ یہاں اتنی سخت لڑائی ہوئی کہ بحر الکاہل میں کسی جگہ پہلے ایسی سخت لڑائی نہیں ہوئی۔ یہ جزیرہ خاص جاپان کی سرزمین سے صرف تیرہ سو میل سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔ اور جاپان کے بچاؤ کی اندرونی لائن کی بیل چھاؤنی ہے۔ اس فتح سے اتحادی مہم کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ کل تیسرے پہر یہاں جاپانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بیس ہزار جاپانی فوج میں سے دس ہزار ماری گئی۔ جاپانیوں کے پاس یہاں طیاروں کی کمی تھی۔ جنگی جہازوں نے بھی ان کی مدد نہ کی۔ لیکن اتحادی طیارے طیارہ بردار جہازوں سے اڑ کر دشمن پر سخت بمباری کرتے رہے اور ڈسٹرائر اور کروزر بھی دشمن کی مضبوط چوکیوں پر گولے برساتے رہے۔

لنڈن ۱۰ جولائی۔ اٹلی میں جرمن ڈیفنس لائن میں ایک اہم شگاف کر دیا گیا ہے۔ جرمن لڑتے بھڑتے تیزی سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اور شہروں کے شہر خالی کرتے جاتے ہیں۔ جن پر بڑھتی ہوئی اتحادی فوجیں قبضہ کرتی جاتی ہیں۔ ایڈریاٹک کے محاذ پر بالخصوص لڑائی بہت سخت ہو رہی ہے۔

لنڈن ۱۰ جولائی۔ فرانس میں اتحادی فوج کاں پر قبضہ کر چکی ہے اور یہاں مضبوطی سے قدم جما لئے ہیں۔ جنرل منٹگمری نے اب اس محاذ پر تازہ دم دستے بھیجدیئے ہیں۔ ایک نامہ نگار کا بیان ہے۔ کہ کاں کے جنوب مغرب میں اتحادیوں نے ایک نیا حملہ شروع کر دیا ہے۔ امریکن فوج نے اوڈول اور اول کے درمیان ایک اونچی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے اس جرمن فوج کیلئے سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے جو کاں کے صنعتی علاقہ میں ابھی تک مقابلہ کر رہی ہے۔ اس فوج کو ان دستوں سے بھی خطرہ ہے جنہوں نے دریا کے اس پار مورچہ قائم کر رکھا ہے۔ خاص کاں میں سڑکوں پر سے ملبہ ہٹایا جا رہا ہے۔ جرمن توپیں تاحال گولے برسا رہی ہیں اور جرمن سپاہی کارخانوں کی چمنیوں سے دیکھ بھال کا کام لے رہے ہیں۔ ہمارے ہوائی جہاز دشمن پر سخت حملے کر رہے ہیں۔ کل انہوں نے ساڑھے تین ہزار اڑانیں کیں۔ لائے ڈی بوئے کے شہر سے میں امریکن دستے ایک میل آگے بڑھ چکے ہیں۔ جو امریکن دستے ویرے دریا کو پار کر چکے ہیں

جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۲۳ ہش

احباب سے درخواست ہے۔ کہ آئندہ جلسہ سالانہ کی تقاریر کے لئے مضامین تجویز فرما کر ناظر دعوت و تبلیغ کو مطلع فرمائیں۔ تا ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ناظر دعوت و تبلیغ قادیان